آغا رہبر کی نوجوانوں سے مشفقانہ گف

آغا رہبر کی

نوجوانوں سے مشفقانہ گفتگو

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

عَرضِ ناشر

جناب رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ کی طرف سے نوجوانوں اور کھلاڑیوں کے ساتھ گزارے گئے کچھ گھنٹے کس قدر قیمتی ہیں اس کا اندازہ اس مختصر کتابچہ سے ہوتا ہے جس میں آپ نے بہت کم وقت میں بہت مفید اور اہم سوالات کے جوابات عطا فرمائے ہیں۔

آپ کی دعاؤں اور اللہ کی رحمت اور توفقیات سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی ہے اگر اللہ نے توفیق دی تو انشاء اللہ ہم جناب رہبر معظم کی تمام کتب جو دستیاب ہوں گی ان کو مرحلہ وار شائع کریں گے۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اگر آپ کے پاس رہبر معظم کی کوئی کتاب ہو تو ادارہ کو ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔

جب آپ اپنے لئے دعا کریں تو ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک رکھیں تا کہ یہ سلسلہ جاری رہ سکے، اگر کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو یہ سوچ کر معاف فرما دیں کہ انسان کی سب کوششوں کے باوجود غلطی کی گنجائش بہر حال رہ جاتی ہے، اس غلطی سے ادارہ کو آگاہ کریں تا کہ آئندہ اس کو درست کرلیا جائے۔

ہم ادارہ ''مصباح القرآن ٹرسٹ کے انتہائی مشکور ہیں کہ جنہوں نے آغا

ہبر کی کتب کو اپنی ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com
طالعہ کے لئے پیش کی ہیں آپ آغا رہبر سمیت سید العلماء سید علی نقی نقن رحمۃ اللہ علیہ کی کتب
ی اسی ویب سائٹ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت ادارہ ''مصباح القران ٹرسٹ'' کے منتظمین و معاونین او
ن کے ساتھ کام کرنے والے تمام لوگوں کے لئے افراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ا
ں توفیقات خیر میں مزید اضافہ فرمائے۔ (آمین)

موسم بہار کی ایک خوبصورت شام، نوجوان طالب وطالبات، کھلاڑیوں اور فنکاروں کی ایک مختصر سی ٹیم نے رہبر معظم انقلاب حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالیٰ سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات نوجوانوں کے ہفتہ کی مناسب سے طے پائی تھی جس کے لئے جوانوں کی مرکزی کونسل نے تعاون کیا تھا۔ اس ملاقات میں ہدایت کی دلنشین آواز نے نوجوانوں کے سوالات کے جوابات بھی دیئے جن میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں

فہرست سوالات

سوال : انسان کی اہم خصوصیات میں ایک جدت پسندی ہے، جس کا وہ بنا
نکھار اور لباس وغیرہ کے ذریعہ سے اظہار بھی کرتا ہے۔ اس اہم خصوصیت کا استعمال
کیسے ہونا چاہئے۔ حکومت نے اس سلسلے میں ابھی تک کیا کیا ہے؟ کیا اس سلسلے میں کئے
جانے والے اقدامات، کامیاب اقدامات تھے؟

سوال : ایک نوجوان کو اپنے جوش و جذبے کی حس کو کیسے استعمال کر
چاہئے؟

سوال : ہماری اہم حکمت عملی میں کھیلوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ اور کھیل
و ثقافتی یلغار کے خلاف ڈھال کے طور پر کیوں استعمال نہیں کیا جاتا؟

سوال : جوانوں کے امور میں حکمت عملی وضع کرنے کے لئے ایک مرک
کیوں نہیں قائم کیا جاتا؟ اور جوانوں کے مسائل جیسے شادی کا مسئلہ کے حل کے لئے
مختلف اداروں کا آپس میں تعاون اور رابطہ کیوں نہیں ہے؟

سوال : آپ کے خیال میں زمانہ جنگ کے دور کے اقدار اور روحانی فض
آج کے نوجوانوں میں کیسے منتقل ہوسکتی ہیں؟

سوال: آپ نوجوانوں سے ملتے ہوئے کیا محسوس کرتے ہیں؟ ان کے لئے آپ کی پہلی نصیحت کیا ہوتی ہے؟

جواب: جب میں جوانوں سے ملتا ہوں یا ان کا ماحول ملتا ہے تو میری کیفیت اس انسان کی سی ہوتی ہے جو صبح کی تازہ ہوا میں سانس لیتا ہے فرحت وتازگی محسوس کرتا ہوں جوانوں سے ملتے ہوئے پہلی چیز جو اکثر ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ ان جوانوں کو خود بھی معلوم ہے کہ ان کی پیشانی پر کیا ستارہ جگمگا رہا ہے؟ میں اس ستارے کو دیکھ رہا ہوں، لیکن کیا خود انہیں بھی معلوم ہے کہ یہ کیا ستارہ ہے؟ جوانی کا ستارہ بہت زیادہ روشن اور خوش قسمتی ہے۔ اگر جوان اس قیمتی اور بے نظیر چیز کا اپنے وجود کے اندر احساس کریں تو میرا خیال ہے انشاء اللہ وہ اس سے بہت فائدہ اٹھائیں گے۔

سوال: آپ کا جوانی کا دور کیسا گزرا؟

جواب: وہ زمانہ آج کے دور کی طرح نہیں تھا، بہت بری حالت تھی۔ اس وقت جوانی کا دور کوئی اچھا دور نہیں تھا۔ صرف میرے لئے ہی نہیں کہ ایک دینی طالب علم تھا بلکہ سبھی جوانوں کے لئے وہ کوئی اچھا دور نہیں تھا۔ کیونکہ نوجوانوں پر توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ بہت سی صلاحیتیں نوجوانوں کے اندر ہی دفن ہو جاتی تھیں یہ سب کچھ ہمارا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ دینی مدارس کے ماحول میں بھی اور اس کے علاوہ یونیورسٹیوں میں بھی۔ عرصہ دراز سے میرا تعلق یونیورسٹی، سے بھی رہا ہے، وہاں بھی ویسا ہی ماحول تھا

ممکن ہے ان طالب علموں کی صلاحیتیں اپنے مضامین میں اس قدر زیادہ نہ ہوں لیکن دوسری بہت سی صلاحیتیں ان میں موجود تھیں لیکن کوئی ان پر توجہ نہیں دیتا تھا۔

انقلاب سے پہلے میری جوانی کا زیادہ تر حصہ نوجوانوں کے ساتھ گزرا ہے۔ انقلاب جب آیا تو میری عمر تقریباً انتالیس برس تھی۔ سترہ، اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر اس وقت تک میرا اٹھنا، بیٹھنا جوانوں کے ساتھ تھا، خواہ ان کا تعلق حوزہ سے ہو یا یونیورسٹی سے جس چیز کا اس وقت شدت سے احساس ہوتا تھا یہ تھی کہ رضا شاہ پہلوی کی سیاست کچھ ایسی تھی کہ جوان پستی میں گرتے جاتے تھے، صرف اخلاقی پستی ہی میں نہیں بلکہ شخصیت اور انفرادیت بھی پستی کا شکار تھی۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ شاہی حکومت نے جان بوجھ کر ایسی حکمت عملی وضع کی تھی کہ ملک کے نوجوان پستی کا شکار ہو جائیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو اور ممکن ہے ایسا نہ ہو۔ لیکن ایک بات بہرحال مسلم ہے وہ یہ کہ ان کی ایک حکمت عملی تھی اور حکومت کو کچھ اس انداز میں چلا رہے تھے کہ جس کے نتیجہ میں نوجوان پستی کا شکار ہو جائیں اور سیاسی مسائل سے دور رہیں۔

آپ اس بات کا یقین کریں گے کہ میرے ہم عمر تقریباً بیس سال کی عمر کے جوانوں کو حکمرانوں کے نام تک معلوم نہ ہوتے تھے کہ کون کون حکومت کر رہا ہے؟ آج آپ میں سے کوئی ایسا ہے جسے وزیر تعلیم کا نہ پتا ہو؟ جو وزیر خزانہ کو نہ جانتا ہو یا اسے صدر کا علم نہ ہو؟ آج ملک کے دور دراز علاقوں میں بھی سب کو یہ باتیں معلوم ہیں لیکن اس وقت سبھی طبقات جن میں جوانوں کا طبقہ بھی شامل ہے، سیاسی امور سے مکمل طور پر غافل تھے۔ جوانوں کا سب سے بڑا مسئلہ روزمرہ کی زندگی تھا، کچھ روٹی کے چکر میں تھے۔ کچھ روزی کمانے کے لئے سخت محنت کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن ساری کمائی صرف کھانے پینے پر ہی خرچ نہیں ہوتی تھی، ادھر ادھر کی اور بہت سی چیزیں بھی ہوتی تھیں۔

اگر آپ لاطینی امریکہ اور افریقہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں پر ایک نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا بھی حال وہی تھا لیکن یہ کہ ایران کے بارے میں لکھنے کی کسی میں جرات نہیں تھی۔ لیکن افریقہ، شیلی یا میکسیکو کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ میں جب ان کتابوں کو پڑھتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ہماری حالت بھی ویسی ہی تھی یعنی ایک جوان مزدور جب سخت محنت کے بعد ایک شاہی (دھیلا) کماتا تو آدھا پیسہ عیاشی اور آوارہ گردی میں خرچ ہوجاتا تھا۔ ان باتوں کو ہم ان کتابوں میں پڑھتے تھے اور حقیقت میں اپنے معاشرے میں موجود پاتے تھے۔ واقعی اس زمانے میں بہت بری صورتحال تھی اس وقت جوانی کا دور بہت برا دور تھا۔ ہاں کچھ جوانوں کے دلوں کے اندر ایک دوسری صورتحال بھی تھی۔ کیونکہ نوجوان بہرحال بنیادی طور پر پاک، پاکیزہ، نیک امیدوں اور جوش وجذبہ کا حامل ہوتا ہے۔

میں خود بھی ایک جوشیلا جوان تھا۔ انقلاب شروع ہونے سے پہلے بھی ادبی اور فنکارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے میری زندگی میں جوش وخروش تھا۔ ۱۳۴۱ھ (۱۹۶۲ء) میں جب انقلابی جہاد شروع ہوا تو بھی ویسا ہی جوش تھا۔ اس وقت میری عمر ۲۳ سال تھی ۱۳۴۲ھ (۱۹۶۳ھ) میں دومرتبہ مجھے گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری، تفتیش اور پوچھ گچھ، یہ سب کچھ انسان کے جوش و جذبہ میں اور اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر جب انسان آزاد ہوتا ہے اور اپنی عوام کو دیکھتا ہے جو کہ اس طرح کے مسائل میں دلچسپی رکھتی ہے اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کو دیکھتا ہے جوان کی قیادت کررہی ہے اور قدم قدم پر ان کے افکار کی اصلاح کررہی ہے تو یہ جوش اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ تھی مجھ جیسے ان لوگوں کی زندگی جوان حالات میں زندہ رہتے اور غور وفکر کرتے تھے۔ ان میں بہت زیادہ جوش وخروش تھا۔ لیکن باقی سب لوگوں کو یہ جوش وجذبہ نصیب نہ تھا۔

جوان کی فطرت میں، چونکہ جوشیلا پن موجود ہے۔ یعنی ایک زندہ دلی اور

سرشاری کی کیفیت اس میں موجود ہے، اس لئے ہر ایک چیز میں اسے مزا آتا ہے۔ ایک جوان جب کھانا کھاتا ہے تو لذت محسوس کرتا ہے، گفتگو کرتا ہے تو لذت محسوس کرتا ہے، آئینہ دیکھتا ہے تو لذت محسوس کرتا ہے، سیر و تفریح سے لذت محسوس کرتا ہے شاید آپ یقین نہیں کریں گے کہ انسان جب اپنی جوانی کے دن گزار چکتا ہے تو وہ مزہ جو آپ آج محسوس کرتے ہیں وہ ہرگز محسوس نہیں کرتا۔ اس جوانی کے دور میں ہمارے بزرگ کبھی کوئی بات کرتے تو ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ یہ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ آج ہم دیکھتے ہیں کہ نہیں، ان کی بات درست ہوتی تھی۔ لیکن میں نے مکمل طور پر ابھی تک اپنے آپ کو جوانی سے الگ نہیں کیا ہے۔ آج بھی اپنے اندر جوانی کی ان کیفیات کو محسوس کرتا ہوں اور کوشش کروں گا اسے قائم رکھوں۔ الحمد اللہ اب تک قائم رکھا ہے اور آئندہ بھی قائم رکھوں گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو بڑھاپے کے حوالے کر دیا ہے وہ اپنی زندگی کے مختلف حالات میں شوق کے ساتھ کام انجام نہیں دے سکتے۔ شاہ کے دور میں کچھ ایسی ہی فضا تھی۔ ایسا نہیں کہ ہرگز افسردگی کا ماحول تھا بلکہ اس دور میں غفلت اور بے خبری کا دور دورہ تھا اور عزت نفس نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

اس زمانے میں جبکہ ہم انقلابی جہاد جیسے مسائل میں پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے اس بات سے غافل نہیں تھے کہ کس طرح جوانوں کو شاہی حکومت کے ثقافتی حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔ میں خود بھی مسجد جایا کرتا تھا اور تفسیر کا درس دیتا تھا۔ نماز کے بعد تقریر کرتا تھا، کبھی کبھی چھوٹے شہروں اور دیہاتوں کی طرف نکل جاتا اور وہاں تقریریں کرتا۔ ہماری توجہ کا اصل مرکز یہ تھا کہ نوجوانوں کو شہنشاہی حکومت کے ثقافتی چنگل سے رہائی دلوائی جائے۔ اس وقت ہم اس کو نظر نہ آنے والا ایسا جال کہا کرتے تھے، جو کہ سب کو ایک طرف کھینچے چلا جا رہا ہے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے اس جال کی رسیاں کاٹی جائیں اور جوانوں کو اس سے نجات دلائی جائے۔ جو شخص بھی اس فکری

جال سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا اس کی پہچان یہ تھی کہ اول تو وہ دین کا پابند ہو جاتا اور دوسرے امام خمینیؒ کے افکار سے نزدیک ہو جاتا تھا۔ یہ دو چیزیں اب اس کے لئے ایک طرح سے برائیوں کے خلاف ڈھال بن جاتیں۔ اور انہی لوگوں کے ذریعہ سے بعد میں انقلاب کامیاب ہوا۔ آج بھی ہم ان لوگوں کو پہچانتے ہیں، کون کس کے ساتھ تھا اور کن افکار کا حامل تھا۔

بہر حال آج کے دور میں آپ کو بہتر فضا میسر ہے۔ میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آج تمام سہولیات میسر ہیں اور تمام چیزیں جیسی ہونی چاہئیں ویسی ہی ہیں۔ لیکن اس زمانے کے مقابلے میں آج حالات بہت بہتر ہیں اگر ایک نوجوان اچھی زندگی گزارنا چاہے اور اپنی شخصیت اور عزت نفس کو پہچاننا چاہے تو میرے خیال میں اس کے لئے آج یہ سب ممکن ہے۔

سوال: آپ کے نزدیک ایک مسلمان نوجوان کی کیا تعریف ہے؟ اس میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟ ایک نوجوان کو اپنی زندگی کا راستہ کیسے طے کرنا چاہئے اور اپنے مقصد تک کیسے پہنچنا چاہئے؟

جواب: یہ راستہ طے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، یہ جو آپ نے سوال میں شرط لگا دی ہے اس نے میرے لئے جواب کو قدرے مشکل بنا دیا ہے۔ کسی بھی سنجیدہ کام کو انجام دینا آسان نہیں ہوتا۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ کسی قیمتی چیز کو حاصل کرے تو زحمت اور کوشش تو کرنا ہی پڑے گی جہاں تک نوجوان کے خصوصیات کا تعلق ہے تو میرے نزدیک تین خصوصیات ایسے ہیں کہ اگر ان پر توجہ ہو اور انہیں صحیح سمت دی جائے تو میرا خیال ہے کہ آپ کے سوال کا جواب ڈھونڈنا آسان ہو جائے گا۔ وہ تین خصوصیات یہ ہیں: توانائی، اچھی امید، اختراع یا ایجاد۔ یہ جوان کے نمایاں خصوصیات ہیں۔ اگر ذرائع ابلاغ خواہ وہ ٹی وی کی صورت میں ہوں یا تعلیمی اداروں کی صورت

میں۔خواہ مذہبی مقررین کی صورت میں ہوں یا علمی اور ثقافتی مفکرین کی صورت میں۔ یہ سب اگران تین خصوصیات کوصحیح طریقے سے سمت دیں تو میرا خیال ہے کہ جوان بڑے آرام سے اسلامی رسم وراہ کا پابند ہو جائے گا۔ کیونکہ اسلام بھی ہم سے جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

قرآن میں بھی ایک بنیادی نکتہ بیان ہوا ہے اور وہ تقویٰ پر توجہ دینا ہے۔ جب لوگ تقویٰ کا تصور کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں نماز، روزہ، عبادت، ذکر، دعا وغیرہ آتے ہیں۔ممکن ہے یہ سب چیزیں تقویٰ میں شامل ہوں لیکن ان میں سے کوئی بھی تقویٰ کا مفہوم ادانہیں کرتی۔ کیونکہ تقویٰ یعنی اپنا خیال رکھنا تقویٰ یعنی ایک انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اپنے ہر فعل کا ارادہ، فکر اور فیصلہ کے ساتھ انتخاب کرے اس شخص کی طرح جو ایک گھوڑے پر بیٹھا ہے، گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے اور اسے معلوم ہے کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ یہ تقویٰ ہے جس شخص کے پاس تقویٰ نہیں ہے اس کے افعال، اس کے فیصلے اور اس کا مستقبل اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ نہج البلاغہ کے مطابق اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے ایک سرکش گھوڑے پر بٹھا دیا گیا ہو نہ کہ خود سے اس پر بیٹھا ہو اور اگر خود سے بھی بیٹھا ہو تو اسے گھڑسواری نہیں آتی۔ لگام اس کے ہاتھ میں ہے لیکن معلوم نہیں کہ کیا کرنا ہے۔ معلوم نہیں کہ کہاں جانا ہے، جہاں گھوڑا لے جائے گا یہ بھی وہیں جائے گا اور کسی طرح بھی نجات ممکن نہیں ہے۔

اگر ہم تقوے کے اس مفہوم کو ملحوظ رکھیں تو میرا خیال ہے راستہ آسانی سے طے ہو جائے گا۔ پھر بھی بالکل آسانی کے ساتھ نہیں، بہر حال آسانی سے طے ہوگا۔ یہ ایک عملی راستہ ہے نوجوان اسلامی زندگی بسر کرنے کا راستہ اختیار کرے، دین کو پہچانے، دیکھے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ یہ عمل، یہ بات، یہ دوستی، یہ فکر ٹھیک ہے یا ٹھیک

نہیں؟ اس کا ہر قدم پر سوچنا کہ عمل ٹھیک ہے یا ٹھیک نہیں، یہی تقویٰ ہے اگر وہ دیندار نہ بھی ہو تو اس طرح سے سوچنا اسے دین تک پہنچا دے گا۔ قرآن کریم میں ہے

ھدی للمتقین یہ نہیں کہا **ھدی للمومنین** کیونکہ اگر مومن کے پاس تقویٰ نہ ہو تو شاید یہ ایمان پائیدار نہ ہو، اور آگے اس کی قسمت ہو گی اگر اچھا ماحول میسر آ گیا تو ایمان پر باقی رہے گا اور اگر اچھا ماحول نہ ملا تو چونکہ اس کے پاس تقویٰ نہیں ہے۔ اس لئے وہ اپنے ایمان کو بھی کھو دے گا۔

پس اگر ہم ان تین خصوصیات کو تقویٰ کے ساتھ استعمال کریں اور انہیں صحیح سمت دیں تو میرے خیال میں جوان آسانی سے ویسی ہی زندگی گزار سکتا ہے جیسی اسلام پسند کرتا ہے۔ خصوصاً اب جبکہ ہمارا ملک بھی اسلامی ملک ہے، یہ بہت اہم چیز ہے۔ حکومت، یعنی اس قوم کا اقتدار اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کے پاس ذمہ داریاں ہیں، اسلام پر تہ دل سے اعتقاد رکھتے ہیں عوام کے دلوں میں بھی ایمان راسخ ہے۔ لہٰذا مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کے لئے فضا بالکل ہموار ہے۔

ایک اور چھوٹی سی مثال دے کر آپ کے سوال کے جواب کو ختم کرتا ہوں۔ افسوس کہ آپ نے جنگ کے عروج کا زمانہ نہیں دیکھا، آپ نے جنگ نہیں دیکھی ہے، اس پر افسوس نہیں ہے بلکہ اس بات پر افسوس ہے کہ آپ زمانہ جنگ کی چند بہترین خصوصیات کو نہیں دیکھ پائے۔ اس وقت آپ ہی کی عمر کے اٹھارہ بیس سالہ لڑکے، لطافت اور معنوی پاکیزگی کے لحاظ سے ایک چالیس سالہ عارف کے مقام کو حاصل کر لیتے تھے۔

اس طرح کی کئی مثالیں زمانہ جنگ میں دیکھنے کو ملتی تھیں۔ اس زمانے میں جب اس طرح کے جوانوں سے ہمارا سامنا ہوتا تو میں پوری عاجزی وانکساری کے ساتھ ان سے ملتا تھا۔ یہ انکساری وفروتنی ایک سچے جذبہ کے ساتھ ہوتی تھی کیونکہ آپ

نے دیکھا ہوگا کہ ایک آدمی جب کسی بڑے کے سامنے جاتا ہے اور اس کے کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے تو تب اپنی کمزوریوں کا بھی اندازہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح کا ایک احساس مجھے بھی ان مجاہد جوانوں سے ملتے ہوئے ہوتا تھا۔ اس زمانہ کا ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ ایک عام جوان اپنے آپ کو اس حد تک بدل سکتا تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ آج کی دنیا میں جوان طبقے کی جو حالت ہے ریپ گروپ، فلاں گروپ، فلاں گروپ، ہزاروں قسم کی اخلاقی وفکری برائیوں سے لبریز۔ آج کے دور میں ان جوانوں کو ہزاروں قسم کی مشکلات کا سامنا ہے۔ اگرچہ ہمارے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں موجود تھیں مثلاً اس دور میں ''بیستل'' نامی ایک گروپ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے ممبر اب بڑھاپے میں پہنچ گئے ہیں کچھ عرصہ پہلے ایک غیر ملکی رسالے میں ان کا قصہ چھپا تھا کہ ''بیستل گروپ'' کے لوگ آج کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ روحانی مشکلات اور نفسیاتی پیچیدگیوں نے آج انہیں گھیر رکھا ہے۔ جن لوگوں نے پس ماندہ ممالک میں ان کی دیکھا دیکھی اندھی تقلید شروع کر دی تھی، نہیں جانتے کہ وہ لوگ خود کن مشکلات میں گرفتار ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پیروی کرنے سے ترقی کر جائیں گے، یہ ترقی نہیں تنزلی ہے۔ جس دور میں دنیا اس طرح کے مسائل میں پھنسی ہوئی تھی ہمارے نوجوان جوانی سے سرشار، سربلندی اور حقیقی سعادت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں سموئے، واضح اہداف لئے اپنی ذمہ داریوں کی بجا آوری میں کوشاں نظر آتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کی خاطر کر رہے ہیں جن الحمد اللہ اس دور میں جوان اس حقیقی اور معنوی بلندی سے سرشار تھے جو خدائے متعال نے انہیں عطا کی تھی۔

سوال: یونیورسٹی کی طالبات کے لحاظ سے ہم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کو اپنے لئے کیسے عملی نمونہ بنا سکتی ہیں؟ آپ کی جوانی میں آپ کے

آئیڈیل کون تھے؟

جواب: اچھا سوال ہے۔ سب سے پہلے تو میں یہ عرض کردوں کہ آئیڈیل خود ڈھونڈنا چاہیئے، کسی دوسرے کا بنایا ہوا آئیڈیل سب کے لئے آئیڈیل نہیں بن سکتا۔ یعنی ہمیں چاہیئے کہ اپنے نظریات کے افق پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہاں موجود چہروں میں سے کون ہمیں زیادہ اچھا لگتا ہے وہی ہمارا آئیڈیل بن جائے گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ مسلمان جوان کے لئے خاص طور پر اس جوان کے لئے جو ائمہ علیہم السلام، اہلبیت اور آغاز اسلام کے مسلمانوں سے پوری طرح آشنا ہے آئیڈیل تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور اس کے لئے آئیڈیل شخصیات کی کمی بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا ذکر کیا۔ تو میں چند جملے آپؑ کی شخصیت کے سلسلے میں عرض کرتا ہوں۔ شاید دوسرے ائمہ اور بزرگوں کے حوالے سے بھی یہ آپ کے سوچنے میں مدد دے سکیں۔

آپ ایک ایسی لڑکی ہیں جو سائنس، صنعت، ٹیکنالوجی اور مادی تمدن کے ایک عظیم دور میں زندگی گزار رہی ہیں۔ آپ چودہ سو سال پہلے گزرنے والی ایک شخصیت سے توقع رکھتی ہیں کہ اپنے جیسی زندگی میں اس شخصیت کی تقلید کریں؟ مثلاً دیکھیں کہ وہ یونیورسٹی کیسے جاتی تھیں؟ یا جب عالمی سیاسی مسائل کے بارے میں سوچتی تھیں تو کیسے سوچتی تھیں، ہرگز ایسا نہیں ہے۔

ہر انسان کی شخصیت میں کچھ اصلی خصوصیات ہوتے ہیں، ان کی شناخت ضروری ہے اور اپنے آئیڈیل میں انہی خصوصیات کو تلاش کرنا چاہیئے۔ مثلاً آپ فرض کریں کہ آپ کو سمجھنا ہے کہ اردگرد پیدا ہونے والے واقعات سے آپ کو کیسے نمٹنا ہے اب یا تو یہ واقعات اس دور کے ہیں جب کہ کمپیوٹر، جیٹ جہاز، ٹرین اور میٹرو کا دور ہے اور یا پھر اس دور کے ہیں جب یہ تمام چیزیں موجود نہیں ہیں لیکن بہر حال اردگرد

واقعات تو موجود ہیں۔ اب اس جگہ پر انسان دو طرح کے حالات سے نمٹتا ہے۔ ایک ذمہ دارانہ طریقہ ہے اور دوسرا غیر ذمہ دارانہ۔ ذمہ دارانہ طریقے کی بھی کئی قسمیں ہیں، کس طرح کا محرک ہے؟ کس نقطہ نظر سے کام کو انجام دینا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو انسان کو چاہئے کہ اس لحاظ سے ان اصلی خصوصیات میں اپنے آئیڈیل کو تلاش کرے اور اس کی پیروی کرے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی عمر اس وقت چھ یا سات سال تھی جب شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا۔ اسلام کے آغاز میں یہ انتہائی مشکل دور تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی تھی۔ مکہ کے لوگ، خاص طور پر جوان اور غلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصل ہو رہے تھے۔ عرب کے ابلیس صفت بزرگ مثلاً ابولہب، ابوجہل اور کچھ دوسرے حضرات دیکھتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو مکہ سے نکال دیں۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ دسیوں خاندان تھے جس میں پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار اور حضرت ابو طالب شامل تھے۔ باوجود اس کے حضرت ابوطالبؑ ایک بڑی شخصیت تھے آپ کو بھی باہر نکال دیا گیا۔ اب جبکہ مکہ سے نکالے گئے تو کہاں جائیں؟ حضرت ابو طالبؑ کی مکہ کے نزدیک فرض کیجئے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ایک تھوڑی سی زمین ہے اس کا نام شعب ابی طالب ہے۔ یعنی حضرت ابوطالب کی ملکیت کی ایک گھاٹی۔ آپ نے سوچا کہ وہاں پر چلا جائے اب آپ خود سوچئے کہ مکہ میں جہاں دن کو موسم بہت ہی گرم اور رات کو بے حد سرد ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ تین سال تک اس بنجر جگہ پر زندگی گزارتے ہیں۔ کس قدر بھوک، رنج اور مشکلات کا سامنا کیا ہوگا خدا ہی جانتا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک سخت ترین دور وہاں گزرا۔ اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت کا مطلب صرف چند لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا نہیں تھا بلکہ یہ لوگ جو مصیبت میں گرفتار ہوئے

ہیں ان کا دفاع کرنا بھی تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ جب حالات اچھے ہوں تو ایک راہنما کے گرد جمع ہونے والے سب لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں، اسے دل سے دعائیں دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آج ہم اتنی اچھی زندگی گزار رہے ہیں لیکن جب حالات بدل جائیں اور برے دن آجائیں تو سب لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔ اگرچہ مضبوط ایمان والے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں تاہم ان تمام مشکلات کا بوجھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھوں پر تھا۔ اسی اثنا میں حضرت ابو طالب بھی وفات پا جاتے ہیں۔ حضرت ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بڑے حامی تھے۔ دوسری طرف حضرت خدیجہ علیہا السلام جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک بڑی دلاسا دینے والی تھیں ایک ہفتہ کے اندر دنیا سے چل بسیں۔ اس سانحہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رہ گئے۔

مجھے نہیں معلوم آپ کے کندھوں پر کبھی کچھ لوگوں کی ذمہ داری رہی ہے یا نہیں کہ آپ کو اندازہ ہوا ہو کہ ذمہ داری اور مسئولیت کیا چیز ہوتی ہے۔ واقعی ایسے وقت میں انسان پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب ان حالات میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا کردار ملاحظہ کیجئے۔ جب انسان تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس طرح کی ضمنی چیزوں پر بھی توجہ رکھنی چاہئے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ میں عام طور پر ان چیزوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ایک ماں کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک مشیر اور تیماردار کی طرح تھیں۔ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ''فاطمہ سلام اللہ علیہا اب ''ام ابیھا'' ہیں۔''ام ابیھا'' یعنی اس وقت کہ جب آپ کی عمر صرف چھ سات سال تھی۔ اگرچہ عرب کے ماحول میں اور گرم علاقوں میں

لڑکیاں جسمانی اور روحانی طور پر جلدی بڑی ہو جاتی ہیں، تقریباً ہمارے ہاں کی دس بارہ سالہ لڑکی کی طرح۔

تو یہ جو احساس ذمہ داری ہمیں اس واقعہ میں نظر آتا ہے کیا ایک جوان کے لئے عملی نمونہ اور آئیڈیل نہیں بن سکتا؟ تاکہ یہ نوجوان بھی اپنے اردگرد کے واقعات میں اپنی ذمہ داری کا احساس کر سکے۔ ایک نوجوان کے اندر فرحت وتازگی کی کیفیات کا عظیم سرمایہ جنم لیتا ہے اگر وہ اس کا صحیح استعمال کرے تو اپنے بوڑھے والدین کے دل سے تمام رنج وغم کو دور کر سکتا ہے۔ کیا یہ چیزیں ایک نوجوان کے لئے آئیڈیل نہیں بن سکتیں؟

دوسری مثال خانہ داری کی ہے۔ شاید کچھ لوگ سمجھیں کہ خانہ داری اور اچھی بیوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خاتون گھر میں اچھا کھانا پکائے اور گھر کو صاف ستھرا رکھے۔ نہیں خانہ داری کا صرف یہ مطلب نہیں ہے۔ آپ دیکھئے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خانہ داری کیسی تھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً دس سال مدینے میں گزارے ہیں اس زمانہ میں تقریباً نو سال حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام میاں بیوی تھے۔ اس دوران چھوٹی بڑی کئی جنگیں بھی پیش آئیں۔ تقریباً ساٹھ جنگیں لڑی گئیں اور تقریباً سبھی جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام شریک رہے اب دیکھئے حضرت فاطمہؑ ایک ایسی بیوی ہیں جن کے شوہر اکثر میدان جنگ میں ہیں۔ اگر آپؑ میدان جنگ میں نہ ہوں تو میدان جنگ خالی رہ جائے، میدان جنگ کو اس قدر آپ کی ضرورت ہے۔ ادھر مادی لحاظ سے گھر کی وہ حالت ہے کہ جو آپ

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾
إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ

والی آیت میں سن چکے ہیں۔ یعنی محض مفلسی کی زندگی ہے جبکہ آپ ایک پیغمبر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی، ایک راہنما کی بیٹی ہیں گویا اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہے۔

غور کیجئے کہ اس کام کے لئے کتنے مضبوط اعصاب اور حوصلہ کی ضرورت ہے کہ ایک خاتون شوہر کو جہاد کے لئے بھیج سکے کہ اس کے دل کو گھر بار اور بچوں کی طرف سے بالکل مطمئن کر دے، اس کا حوصلہ بڑھائے، بچوں کی اتنی شاندار تربیت کرے اگرچہ اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں امام تھے، ان کے مزاج میں امامت کی صفات تھیں لیکن حضرت زینب علیہا لسلام تو امام نہ تھیں لیکن حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے نو سال کی اسی مدت میں ان کی تربیت کی تھی کیونکہ اس کے بعد (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات) کے بعد آپ کی عمر نے بھی زیادہ عرصہ وفا نہ کی۔

اس طرح کی خانہ داری اور سلیقہ مندی کہ تاریخ میں آپ ایک خاندان کی محور قرار پائیں۔کیا یہ سب چیزیں ایک نوجوان لڑکی کے لئے ایک خانہ دار خاتون کے لئے یا اس کے لئے جو جلد ہی خانہ داری کے امور سنبھالنے والی ہے، آئیڈیل نہیں بن سکتیں؟!۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپؑ کا مسجد میں آنا، وہ بے مثال خطبہ دینا، یہ سب حیران کن چیزیں ہیں۔ ہم لوگ جو کہ فی البدیہہ مقرر ہیں اس خطبہ کی عظمت کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ایک اٹھارہ بیس سال یا زیادہ سے زیادہ چوبیس سال کی لڑکی ان تمام مشکلات اور مصائب کے باوجود مسجد میں تشریف لاتی ہیں، لوگوں کے بہت بڑے مجمع کے سامنے پردے میں رہتے ہوئے تقریر کرتی ہیں، کہ آج بھی اس تقریر کا ایک ایک لفظ تاریخ میں باقی ہے۔

عرب حافظہ میں مشہور تھے۔ ایک شخص آتا ہے اسی شعروں پر مشتمل قصیدہ پڑھتا ہے محفل ختم ہونے پر دس آدمی اسی قصیدے کو اپنے حافظے سے دوبارہ لکھتے ہیں یہ جو عربی کے قصیدے باقی رہ گئے ہیں ان میں سے اکثر اسی طرح سے رہے ہیں۔ خطبے

اور حدیثیں بھی اس طرح باقی بچی ہیں یعنی لوگوں نے انہیں اپنے حافظہ کے بل پر لکھ لیا اور محفوظ کر لیا۔ خواہ مخواہ کی باتیں تاریخ میں رقم نہیں ہو جاتیں۔ ہر ایک بات کو تاریخ نہیں لکھتی۔ کئی اشعار کہے گئے کئی تقریریں ہوئیں لیکن سب کی سب باقی نہ رہیں۔ وہ چیز جو تاریخ میں باقی رہی اور چودہ سو سال بعد بھی اس کی عظمت کے سامنے انسان سجدہ ریز ہے۔ یہ خطبہ ہے میرے خیال میں ایک نوجوان لڑکی کے لئے یہ چیزیں آئیڈیل ہونا چاہئیں۔

آپ بھی اپنی جگہ حق بجانب ہیں کیونکہ قصور ہم ذمہ دار افراد کا ہے۔ دینی اور معنوی امور میں ابھی تک یہ چیزیں کماحقہ جوان نسل تک نہیں پہنچیں۔ تاہم آپ لوگ خود بھی اس سلسلہ میں کام کر سکتے ہیں آئمہ علیہم السلام کی تمام زندگی میں اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی زندگی بھی آئیڈیل ہے۔ اتنی عظمت والے امام کا انتقال صرف ۲۵ برس کی عمر میں ہو گیا۔ یہ ہم نہیں کہتے بلکہ تاریخ کہتی ہے۔ وہ تاریخ جسے غیر شیعہ لوگوں نے لکھا ہے۔ آپؑ نے اپنے بچپن اور نوجوانی ہی سے لوگوں اور بادشاہ وقت مامون کی آنکھوں میں ایک خاص عظمت حاصل کر لی تھی۔ یہ چیز ہمارے لئے آئیڈیل بن سکتی ہے۔

تاہم اپنے زمانے میں بھی ہمیں آئیڈیل مل سکتے ہیں۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ایک آئیڈیل تھے ہمارے یہ بسیجی نوجوان آئیڈیل ہیں جو شہید ہو گئے وہ بھی اور جو زندہ ہیں وہ بھی اگرچہ انسان کی فطرت اس طرح ہے کہ گزر جانے والے لوگوں اور شہیدوں کے بارے میں آسانی سے گفتگو کر سکتا ہے۔ آپ دیکھئے کہ کس طرح کے آئیڈیل آپ کو مل سکتے ہیں۔ جنگ کے زمانے میں ہم نے دیکھا کہ یہ نوجوان بسی جی اپنے شہر یا گاؤں سے اٹھ کر آتے، ظاہراً عام آدمی نظر آتے تھے جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا کہ

شہنشاہی حکومت نے صلاحیتو کی پرورش کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ یہ لوگ شہنشاہی حکومت کے تحت ایک عام آدمی نظر آتے تھے لیکن جب موجودہ حکومت کے تحت میدان جنگ میں آتے تو ایک دم ان کی مخفی صلاحیتیں اجاگر ہو جاتیں۔ ایک بڑے کمانڈر بن جاتے اور پھر شہادت کا اعزاز پا کر رخصت ہو جاتے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

چند سال پہلے ان کی زندگی کے واقعات پر مشتمل کچھ کتابچے شائع ہوئے تھے۔ ''میرا کمانڈر'' کے نام سے نوجوانوں کی یادداشت پر مشتمل کچھ واقعات لکھے گئے تھے، جس میں انہوں نے اپنے کمانڈر کا ذکر کیا تھا یہ واقعات ان کمانڈروں کی عظمت بیان کرتے ہیں اور ایک انسان کے لئے آئیڈیل بن سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہماری عملی شخصیات، ہماری ادبی شخصیات، ہمارے کھلاڑی، ہمارے فنکار اور دیگر ممتاز شخصیتیں بھی ایک لحاظ سے آئیڈیل بن سکتی ہیں۔

انسان اپنے آئیڈیل کو اپنے معیار کے مطابق انتخاب کرتا ہے آپ سے میری گزارش ہے کہ آپ جب بھی آئیڈیل کا انتخاب کرنا چاہیں تو معیار اس ''تقویٰ'' کو قرار دیں جس کی ہم نے ابھی مفصل تعریف کی ہے۔ اس چیز پر ضرور غور کریں۔ یہ ''تقویٰ'' کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ دنیوی زندگی کے لئے بھی اس تقویٰ کی ضرورت ہے اور آخروی زندگی کے لئے بھی یہ تقویٰ ضروری ہے۔

اب یہ سوال کہ وہ کونسی شخصیات تھیں جنہوں نے مجھے متاثر کیا تو جواب یہ ہے کہ بہت سی شخصیات تھیں جوانی میں جس شخصیت نے مجھے متاثر کیا ان میں سب سے پہلے شہید نواب صفوی ہیں جب نواب صفوی مشہد آئے تو میری عمر پندرہ سال تھی مشہد سے ان کے چلے جانے کے چند ماہ بعد انہیں بہت بری طرح سے شہید کر دیا گیا اس چیز نے بھی ہمیں بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کے بعد امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے جس نے

مجھے متاثر کیا۔قم آنے سے پہلے اور جہادی کارروائیوں سے پہلے ہی میں نے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سن رکھا تھا اور آپ کی زیارت کرنے سے پہلے ہی میں آپ کا ارادتمند تھا، حوزہ علمیہ قم میں تمام نوجوان آپ کے درس کو بہت پسند کرتے تھے۔ میں بھی جب قم گیا تو بلاتردید آپ کے درس میں شریک ہونے لگا۔ شروع سے آخر تک جب تک قم میں رہا۔ آپ کے درس میں ہمیشہ حاضر ہوتا رہا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ اس کے علاوہ میرے والد محترم اور میری والدہ محترمہ نے بھی مجھے کافی متاثر کیا۔ جن شخصیات نے مجھ پر گہرے اثرات چھوڑے ان میں سے ایک میری والدہ محترمہ بھی ہیں جو کہ ایک بہت ہی مؤثر خاتون تھیں۔

سوال: اپنے اجتماعی اور سیاسی امور میں ہمیں کہیں کہیں افراط اور تفریط سے لبریز نظریات کا سامنا کرنا پڑا ہے جس کا یقیناً آئندہ نقصان ہوگا تو اس سلسلہ میں آپ کی نوجوانوں کو کیا نصیحت ہے؟

جواب: کسی کام کو انجام دینے کے انداز مختلف ہو سکتے ہیں، اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ ہی یہ کوئی بری چیز ہے۔ مثال کے طور پر اگر سیاست میں دو مختلف انداز ہوں۔ ایک نوجوان ایک انداز کو پسند کرتا ہے اور دوسرا نوجوان ایک دوسرے کو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ نقصان دہ بات یہ ہے کہ ایک کام کو بغیر سوچے سمجھے اور جلد بازی کے ساتھ انجام دیا جائے۔ میں نوجوانوں کو اس بات سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ جوانی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک دم سے کوئی فیصلہ کرلیا جائے۔ اگرچہ جوانی کا مطلب عمل میں بے باک ہونا ضرور ہے۔ یعنی ایک طرف یہ کہ ایک کام میں حد سے زیادہ پیچ وخم پڑنے سے پرہیز کرے اور دوسری طرف بالکل ہی بغیر سوچے سمجھے بھی کوئی اقدام نہ کرے۔ ایک نوجوان سوچ کر بھی کام کرسکتا ہے۔ اور بغیر سوچے بھی۔ جوان اگر چاہے تو انتہائی دانشمندی کے ساتھ حق کو مد نظر رکھتے ہوئے خوب سمجھ کر اپنے

امور کو انجام دے، یہ تمام خصوصیات ایک نوجوان میں موجود ہیں۔ خاص طور پر حق کو مدنظر رکھنے والی خصوصیت تو ایک نوجوان کی شخصیت کا حصہ ہوتی ہے اب اگر انداز مختلف ہوں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ کم از کم اس کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہے۔

دوسروں کی سرے سے نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔ ایک انسان معاشرتی مسائل میں ایک نظریہ کا قائل ہو جائے اور کہے کہ حقیقت صرف یہی ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہیں۔ تو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اگرچہ اصول وعقائد میں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ بایں معنی کہ ان مسائل میں اتنا غور کرنا چاہئے کہ انسان کو ایک مضبوط نقطے تک پہنچا دے جہاں پر جا کر وہ کہہ سکے کہ حقیقت یہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں لیکن سیاسی اور معاشرتی امور میں ''حقیقت یہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں'' کا اعلان کرنا بھی بات نہیں ہے۔ انسان کو چاہئے دوسروں کے نظریات کو برداشت کرے۔ اپنی فکر اور نظریات سے نتائج اخذ کرنے میں سنجیدگی کو معیار قرار دے۔ اگر ایسا ہو تو میرے خیال میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔

سوال: اب تک کی انقلابی جدوجہد میں آپ نے نوجوانوں کو کس قدر ذمہ داریاں سونپی ہیں؟ اور اس سے آپ کو کیسے تجربات ہوئے؟

جواب: انقلاب کے شروع ہی سے جن امور میں میرا اختیار تھا، میں نے نوجوانوں کو ذمہ داری سونپی: مسلح افواج کی ذمہ داریاں، حکومتی امور کی ذمہ داریاں اور اسی طرح اپنے صدارتی دور میں، میں نے نوجوانوں کو مختلف ذمہ داریاں دیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر ہم نوجوانوں پر اعتماد کریں تو نوجوان دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ ذمہ داری سے کام انجام دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان نوجوانوں کو ذمہ داری دی جائے جو اس قابل ہوں اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ باصلاحیت نوجوان کام کو جلدی بھی انجام دیتا ہے اور اس میں جدت بھی پیدا کر کے دکھاتا ہے۔ اسی

طرح سے کام میں ارتقا کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے لوگ ممکن ہے کام کو اچھا کر دکھائیں لیکن کام میں ارتقاء کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

جس وقت ہم انقلابی شوریٰ میں تھے تو اس سلسلے میں ہم اور دیگر دوستوں پر اعتراض کیا جاتا تھا کیونکہ اس شوریٰ میں ساٹھ ستر سالہ افراد بھی تھے جو کہ جوانوں کی صلاحیتوں پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے تھے۔ اعتراض ہوتا تھا کہ آپ جوانوں کو اتنا اوپر کیوں لا رہے ہیں؟ اتنے اہم کام نوجوان لڑکوں کے سپرد کیوں کر رہے ہیں؟ یہ لوگ نوجوانوں کی اتنی حوصلہ افزائی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ہاں اس بات پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا کہ نوجوان ان کی راہنمائی میں ان کے پیچھے چلیں ان کا خیال تھا کہ ہم بڑے ہیں اور یہ نوجوان، انہیں ہمارے پیچھے چلنا چاہئے، اسی وجہ سے وہ نوجوانوں پر اعتماد بھی نہیں کرتے تھے، لیکن ہمیں اپنے نوجوانوں پر پورا اعتماد تھا اور عملی طور پر ہم نے انہیں اس کا جواب دیا اور دکھایا کہ نوجوانوں کی وجہ سے کام اچھا بھی ہو رہا ہے اور اس سے جدت اور ارتقا بھی موجود ہے۔

نوجوانی کا دور توانائی کا دور ہے اس توانائی کو کس چیز میں استعمال ہونا چاہئے؟ میرا خیال ہے خاص طور پر اس کا استعمال علم حاصل کرنے میں نفس کی اصلاح اور تقویٰ کی روح پیدا کرنے میں اور جسمانی توانائی حاصل کرنے میں ہونا چاہئے۔ یہ تین اہم چیزیں ہیں اگر ایک مختصر جملے میں مجھ سے پوچھا جائے کہ آپ ایک نوجوان سے کیا توقع رکھتے ہیں تو میں کہوں گا۔ حصول علم، تہذیب نفس اور ورزش، میرا خیال ہے کہ نوجوان میں تینوں خصوصیات ہونے چاہئیں۔

حصول علم میں تحقیق اور علمی کام بھی شامل ہیں نوجوانوں میں کیونکہ اس چیز کا جذبہ ہے اس لئے انہیں حصول علم کے لئے سخت محنت کرنی چاہئے۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل ہماری یونیورسٹیوں میں نوجوان زیادہ مشکل علمی کام انجام دینے سے گریز

کرتے ہیں، یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ ایک لڑکا جب اسکول کی تعلیم کے بعد تعلیم چھوڑ دیتا ہے اور کالج نہیں جاتا تو ہم اسے کتنی نصیحت کرتے ہیں کہ جائے اور پڑھائی کرے لیکن وہ کالج اور یونیورسٹی میں جا کر مشکل علمی کام انجام نہیں دیتا۔ اسے نصیحت نہیں کرتے کہ علمی کام انجام دو!۔

تو اس کے کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے کا فائدہ کیا ہوا؟ یونیورسٹی میں اس لئے آیا جاتا ہے کہ علم کو ترقی حاصل ہو۔ اسی لئے میری نوجوانوں کو نصیحت ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے اپنی جوانیوں کو خرچ کریں۔

ایک سوال یہ ہے کہ ''کیا ہمارے اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان موجود فاصلہ ختم ہوسکتا ہے؟'' میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہاں، ایسا ممکن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اس راستہ کو طے کیا ہے ہم لوگ اس طرح اس راستہ کو طے نہ کریں۔ کیونکہ دنیا میں ہزاروں درمیانی راستے شارٹ کٹ بھی موجود ہیں خدا نے خلقت میں جو ایک طبیعت کو پنہاں رکھا ہے ہم اسے ٹھیک طریقہ سے نہیں پہچان سکے۔ جبکہ ترقی کے ہزاروں راستے موجود ہیں۔ ایک راستہ وہی ہے جس کو آج کے صنعتی تمدن نے طے کیا ہے۔ ہر قدم کے بعد اس سے اگلا قدم سامنے آتا ہے ہم کیوں نا امید ہو کر بیٹھے ہیں کہ اس کے بعد کوئی نیا دریچہ نہیں کھلے گا اور کوئی نئی چیز ایجاد نہیں ہوسکے گی۔ آج کل تو روز بروز نئی چیزیں دریافت ہو رہی ہیں۔ ہم لوگوں کو بھی دریافت کے لئے مختلف کرنا چاہئے اور اس راستے تک پہنچنا چاہئے جو ہمیں تیزی کے ساتھ ترقی سے ہمکنار کردے اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ نوجوان، اور خاص طور پر وہ نوجوان جو حصول علم اور تحقیقات میں مشغول ہیں سخت جدوجہد کریں۔

آپ جو کام بھی کرنا چاہیں، نوجوانی میں کرسکتے ہیں۔ تینوں خصوصیات کے حوالے سے آپ کو کام کرنا چاہئے۔ علم بھی حال کریں، اپنے نفس کی بھی اصلاح کریں

اور ورزش بھی کریں۔ کون نہیں جانتا کہ بڑھاپے کی ورزش کی وہ تاثیر نہیں جو جوانی کی ورزش کی ہے لیکن نفس کی اصلاح کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ انسان کو اسی کے لئے بڑھاپے کا انتظار کرنا چاہیئے ''جب بوڑھے ہو جائیں گے تو عبادت اور نفس کی اصلاح بھی کرلیں گے۔'' جبکہ اس وقت تہذیب نفس انتہائی مشکل اور کبھی کبھی تو ناممکن ہو جاتی ہے۔ بڑھاپے میں نفس کی اصلاح کرنا مشکل کام ہے لیکن آپ کی عمر میں نوجوانی میں، تہذیب نفس بہت آسان ہے۔ نوجوانوں کو چاہیئے کہ ان تینوں خصوصیات پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ دیں۔

سوال : انسان کے اہم خصوصیات میں سے ایک جدت پسندی ہے، جس کا وہ بناؤ سنگھار اور لباس وغیرہ کے ذریعہ سے اظہار بھی کرتا ہے۔ اس اہم خصوصیت کا استعمال کیسے ہونا چاہیئے؟ حکومت نے اس سلسلے میں ابھی تک کیا کیا ہے؟ کیا اس سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات کامیاب اقدامات تھے؟

جواب : اس سوال کے جواب میں یہی عرض کرنا چاہوں گا کہ حسن کا رجحان، حسن پسندی اور حسین بنانا، یہ سب فطری چیزیں ہیں۔ یہ جدت پسندی سے ذرا مختلف ہے۔ جدت ایک کلی چیز ہے جبکہ حسن و خوبصورتی سے محبت اس کا ایک جز ہے۔ بننا سنورنا اور لباس وغیرہ جدت کا ایک جز ہے جس کی وجہ سے انسان، خاص طور پر نوجوان حسن اور حسین بننے کو پسند کرتا ہے۔ وہ خود بھی خوبصورت بننا چاہتا ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ ایک طبیعی اور لازمی چیز ہے۔ اسلام میں بھی اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ بدکاری اور فسق و فجور ہے۔

اس حسن اور حسین بننے کی حس کو معاشرے کی بدکاری کا باعث نہیں بننا چاہیئے۔ اس کی وجہ سے کہیں اخلاقی برائیاں جنم نہ لینے لگیں۔ اب یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے مختلف طریقے ہیں، اگر عورتوں اور مردوں کا بلا روک ٹوک میل جول شروع ہو جائے

تو برائیاں جنم لینے لگیں گی۔ اگر یہ حسن کی حس انتہا پسندی کو پہنچ جائے تو فیشن زدگی جنم لے لے گی اسی طرح اگر حسن زیبائی اور اپنے بالوں اور کپڑوں کے خیال رکھنے کو اپنی زندگی کا اصل مشغول بنا لیا جائے تو بھی کجروی اور تنزل پیدا ہو جائے گا جبکہ شہنشاہی دور میں بعض اعلیٰ عہدیداروں کی خواتین سنگھار میز پر گھنٹوں بیٹھی رہتی تھیں! اندازاً کتنے گھنٹے؟ چھ، چھ گھنٹے۔ یہ ایک حقیقت ہے ایک انسان اتنا وقت صرف بناؤ سنگھار پر خرچ کر ڈالے؟ وہ بھی اس خاطر کہ اسے فلاں شادی میں جانا ہے اور زلف اور چہرے کی سجاوٹ ایسی ہونی چاہیئے اگر حسین زیبائی اس حالت کو پہنچ جائے تو سراسر تنزل ہے لیکن اپنے بالوں اور اپنے لباس وغیرہ کا خیال رکھنا کوئی بری بات نہیں اور خودنمائی اور بناؤ سنگھار کے بغیر ہو تو اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے۔

اسلام میں ''تبرج'' ممنوع ہے۔ ''تبرج'' یعنی خواتین کا مردوں کے لئے سنگھار کرنا اور سج دھج سے رہنا تاکہ انہیں اپنی طرف کھینچ سکیں تو یہ چیز فسق و فجور کا باعث ہے اور اس کے کئی نقصان ہیں۔ اس کا ایک یہی نقصان نہیں کہ ایک نوجوان لڑکی یا لڑکا گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ تو ابتدائی نقصان ہے۔ شاید اسے سب سے چھوٹا نقصان بھی کہا جاسکے۔ اس سے اگلا نقصان خاندان کو پہنچتا ہے اس طرح کا لامحدود میل ملاپ خاندان کی بنیادوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ کیونکہ خاندان کی زندگی محبت سے قائم ہے۔ حسن و خوبصورتی سے محبت، جنس مخالف سے محبت یہ سب اس محبت کا حصہ ہے اگر اس کی فراہمی غلط جگہوں سے ہونے لگے تو خاندان کا یہ اہم ستون جس کا نام محبت ہے کمزور پڑ جائے گا اور آہستہ آہستہ خاندان کو ہی نابود کر دے گا۔ پھر اس کی حالت وہی ہو جائے گی جو کہ مغربی ممالک اور خاص طور پر شمالی یورپ اور امریکہ کی ہے۔

آج کل امریکہ کو شدت کے ساتھ اس مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خاندان کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ان کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہی ہے اور سب

سے پہلے اس مصیبت کا جو شکار ہوتا ہے وہ خواتین ہیں۔ اگرچہ مردوں کو بھی اس سے نقصان پہنچتا ہے لیکن خواتین کا نقصان ان کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس کا نقصان اس نسل کو پہنچتا ہے جو اس طرح کے خاندان میں جنم لیتی ہے۔ آپ آج امریکہ کی گناہگار اور موجودہ مجرم نسل کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ اس کا اصل سوتا وہیں سے پھوٹتا ہے۔ یعنی ''تبرج'' ہی برائیوں کی کلید تھی اور جتنی برائیاں آئیں سب اس کے پیچھے پیچھے آتی چلی گئیں۔

اسلام میں حسن و جمال کو بہت اہمیت دی گئی ہے آپ نے سنا ہوگا ''ان اللہ جمیل ویحب الجمال'' بیشک خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ ہماری احادیث کی کتابوں میں بننے سنورنے کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں۔ نکاح کے باب میں تفصیلی طور پر بحث ہوئی ہے کہ مردوں اور خواتین کو اپنی حالت کا خیال رکھنا چاہئے۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ مردوں کو سر کے بال منڈوانے چاہئیں۔ نہیں، شریعت میں نوجوانوں کے لئے مستحب ہے کہ سر کے بال رکھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ

الشعر الحسن من کرامۃ اللہ فاکرموہ

یعنی اچھے بال خدا تعالیٰ کی عطا ہیں ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

یا ایک اور روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوستوں سے ملاقات کے لئے جانا چاہتے تھے تو پانی کے برتن کو دیکھتے تھے اور اپنی زلف مبارک وغیرہ درست کرتے تھے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح آئینے زیادہ نہیں ہوا کرتے تھے اور خاص طور پر مدینے میں غربت کا عالم تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانی کا ظرف تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئینہ کا کام لیتے تھے اور اپنے دوستوں کی طرف جاتے ہوئے اس میں اپنا چہرہ دیکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالوں وغیرہ کا خیال رکھنا، اچھا

لباس پہننا اور حسن و جمال کو پسند کرنا اسلامی شریعت میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے لیکن جس چیز کو برا سمجھا گیا ہے، وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے معاشرے میں بدکاری، فسق و فجور اور تبرج پھیلتا ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں خاندان اور بعد میں آنے والی نسلوں کو پہنچتا ہے۔

کچھ دنوں پہلے ایک امریکی رسالے میں ایک چیز دیکھنے کا اتفاق ہوا، جسے بعد میں ہمارے اخبارات نے بھی چھاپا، لکھا تھا کہ دو دس بارہ سالہ بچوں نے اسکول میں مورچہ بندی کر کے دوسرے بچوں اور اساتذہ پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ پہلے خطرے کا الارم بجایا تاکہ سب اکٹھے ہو جائیں، پھر ان پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ملاحظہ کیجئے ایک معاشرے میں اس قسم کے واقعات کس قدر دردناک ہیں۔ بری تربیت اور بے توجہی کی وجہ سے اس طرح کے بے رحم مجرم جنم لیتے ہیں اور یہ سب لاابالی پن کے نتیجے میں ہوتا ہے۔

سوال: ایک نوجوان کو اپنے جوش و جذبہ کی حس کو کیسے استعمال کرنا چاہئے؟

جواب: اچھا سوال ہے، لیکن ذرا مشکل ہے آپ دیکھئے کہ جوش کچھ خاص جگہوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً کھیل، خاص طور پر فٹ بال جیسے کھیل میں جو کہ ایک جوشیلی گیم ہے۔ فٹ بال کی یہ خاصیت ہے۔ والی بال اور ٹینس جیسی کھیلوں کی نسبت اس میں زیادہ جوش پیدا ہوتا ہے۔ فنی امور بھی اگر ولولہ انگیز ہیں لیکن ان میں اتنا ظاہر نہیں ہوتا۔

پس جوش ایک دائرے کے اندر محدود نہیں ہے۔ اگر ایک نوجوان اپنے پسندیدہ میدان میں خواہ وہ جو بھی ہو جوش پیدا کر لے تو اس کا بہترین استعمال وہیں پر کر سکتا ہے۔ اپنے جوانی کے دنوں میں، میں علما والا لباس پہنا کرتا تھا جس کی وجہ سے ماحول کچھ محدود نظر آتا تھا لیکن اس کے باوجود میں اپنی جوش و جذبے کی حس کا استعمال کیا کرتا تھا۔ وہ کس طرح؟ مجھے شاعری کا شوق تھا شاید آپ کے لئے یہ تصور کرنا مشکل

ہو کہ ہماری چار پانچ افراد پر مشتمل ایک محفل ہوتی تھی جس میں شاعری نے شغف رکھنے والے دوست دو تین گھنٹے شعروشاعری کے بارے میں گفتگو کرتے اور اشعار سنایا کرتے تھے۔ جس شخص کو اس طرح کی چیزوں سے دلچسپی ہو اپنی جوش وجذبہ کی حس کا یہاں پر استعمال کر سکتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے فٹ بال کا کھلاڑی فٹ بال کے میدان میں یا ایک تماشائی، فٹ بال کا میچ دیکھتے ہوئے اس حس کا استعمال کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی محدودیت نہیں ہے۔

ایک دوسری مثال جو کہ انجینئرنگ کے طالب علم کی دی جا سکتی ہے آپ کہتے ہیں کہ وہ پڑھائی کرتا ہے لیکن بغیر جوش وجذبہ کے ہم جب پڑھائی کی بات کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ پڑھائی میں جوش وجذبہ نہیں ہوتا یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ کلاس میں اس حس کے استعمال کا موقع نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کلاس کے ساتھ لیبارٹری میں عملی کام ہو اور نوجوان اس لیبارٹری میں اپنی تخلیقی صلاحیت کو استعمال بھی کر سکے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ کچھ کم جوش وجذبہ استعمال ہوگا؟

یہ جو میں اپنے بھائیوں سے عرض کر رہا تھا کہ تحقیقی کام انجام دیجئے، تحقیقی کام شوق اور عشق کے ساتھ ہونا چاہئے جس تحقیق کے لئے انسان کو مجبور کیا جائے خشک اور بغیر جوش وجذبہ کے ہوگی جس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے مقابلے میں جو مضمون آپ کو پسند ہے جس کے لئے آپ یونیورسٹی میں پڑھنے آئے ہیں آپ کو اچھے استاد ملے ہیں ساتھ ہی لیبارٹری بھی موجود ہے جہاں آپ اپنی جدت پسندی اور تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کر سکتے ہیں اس میں آپ کی تحقیق بہت اچھی ہوگی۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جوش وجذبہ کا استعمال کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے لئے ہمیں پریشان ہونا پڑے۔ اگر مختلف شعبوں میں بہتر مواقع فراہم کئے جائیں تو نوجوان خود ہی اپنی پسند کے مطابق ان شعبوں میں جا کر جوش وجذبہ کی حس کے جوہر کو

آشکار کر سکتا ہے۔

ملک کے ذمہ دار حکام کے طور پر ہم اور وہ تمام لوگ جنہیں اس ملک سے محبت ہے خواہ وہ حکومتی ادارے ہوں یا غیر حکومتی ادارے یا جن کا تعلق نوجوانوں کے امور سے ہو واحد کام یہ کر سکتے ہیں کہ نوجوانوں کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیں تا کہ وہ صحیح اور مناسب امور انجام دے سکیں۔ اب ایک نوجوان جسے اقتصادی امور سے دلچسپی ہے ظاہر ہے اقتصاد کی لیبارٹری تو نہیں ہوتی لیکن اچانک سننے میں آتا ہے کہ فلاں اقتصاد داں اپنے ہی ملک یا کسی باہر کے ملک سے آرہا ہے اور فلاں جگہ لیکچر دے گا تو اس نوجوان کے لئے کتنا اہم ہوگا کہ وہ اس کا دعوت نامہ حاصل کرے۔ اس جگہ پر پہنچے، اس سے سوالات پوچھے۔ یہ سب درحقیقت وہ جوش وجذبہ کی حس کے تحت انجام دے گا۔

فن کی زبان رسا ہے اور اس صفت میں کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی یہ سائنس کی زبان، نہ وعظ ونصیحت کی زبان اور نہ ہی عام زبان کوئی بھی فن کا مقابلہ نہیں کرسکتی، قرآن کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اس میں فن نہفتہ ہے۔ قرآن فن کے عروج پر جاکر بات کرتا ہے۔ اس زمانے کے لوگ قرآن سن کر محسور ہو جایا کرتے تھے۔ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فن کی زبان کے بغیر لوگوں سے گفتگو کرتے تو اگرچہ کچھ لوگوں پر اس کا اثر ہوتا لیکن طوفان اور بجلی کا سا اثر ہرگز نہ ہوتا یہ فن ہے جو اس طرح سے کلام کرسکتا ہے۔ آج جب آپ حافظ کی شاعری پڑھتے ہیں تو اس کی تاثیر اور عظمت کو محسوس کرتے ہیں لیکن اسٹیج پروگرامز کا اثر شاعری اور ادب سے بھی تیز ہے۔ نہیں معلوم کہ یہ اثر لازوال بھی ہے یا نہیں لیکن زود اثر اور قاطع ضرور ہے۔

پھر آپ لوگ بہت اچھی طرح اثر انداز ہو سکتے ہیں، جو لوگ ڈراموں وغیرہ کی کہانی تحریر کرتے ہیں پروڈیوسر ہیں، اسٹیج تیار کرتے ہیں یا لباس ڈیزائن کرتے ہیں

ان سب سے میری اپیل ہے کہ آپ کے فن میں ایک نہایت اہم چیز جس کی طرف کم ہی توجہ کی جاتی ہے وہ لباس ہے۔ جو لباس آپ پہنتے ہیں کچھ لوگوں کا آئیڈیل بن جاتا ہے، کیونکہ اس میں ایک طرح کی کشش ہے۔ لباس ڈیزائن کرتے ہوئے آپ اس پر غور کریں اور اس کے اثرات کا جائزہ لیں خداوند تعالیٰ سے آپ کی ہر میدان میں کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔

سوال : ماری اہم حکمت عملی میں کھیلوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ اور کھیل کو ثقافتی یلغار کے خلاف ڈھال کے طور پر کیوں استعمال نہیں کیا جاتا؟

جواب : آپ نے ملاحظہ کیا کہ ہماری فلمیں جب بین الاقوامی فلمی مقابلہ میں جاتی ہیں تو تماشائیوں اور ججوں کے لئے سب سے زیادہ پر کشش بات یہی عفت ہوتی ہے کہ جو آج کل کی ایرانی فلموں میں پائی جاتی ہے بعض فلمساز اور پروڈیوسر حضرات خود بخود اس بات کا خیال رکھتے ہیں اور بعض سے اس بات کا خیال رکھوایا جاتا ہے کہ عفت کا لحاظ کریں اور مرد و عورت اور گھریلو زندگی کو اس طرح سے پیش کریں جیسا کہ اسلامی جمہوریہ ایران کا ماحول پسند کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں ہمیں ایک خاص برتری حاصل ہے۔

بہت سے لوگوں کے نظریئے کے برعکس آج دنیا اس بے ہودہ پن بدکاری اور بیکاری سے تنگ آ چکی ہے اور اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی۔ ہمیں چاہئے کہ اس عفت، نجابت، تندرستی اور حیا کو جس کا اسلام نے بھی ہمیں حکم دیا ہے، کھیل کے میدان میں بھی رواج دیں۔ اس طرح سے ہم کھیل میں روحانی اور ثقافتی ماحول کی ترویج کر کے اس ہدف تک پہنچ سکتے ہیں جس کا آپ نے ذکر کیا۔ یعنی ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنی ثقافت کا ہر میدان میں خیال رکھنا ہوگا۔

جوانوں سے میری ایک گزارش یہ بھی ہے کہ وہ یہ بات سوچ کر کھیل سے دست کش نہ ہوں کہ جب کھیل پر اتنی توجہ دی جائے گی اور فلاں فلاں کام ہو جائیں گے تب ہم کھیلیں گے! نہیں! جوانوں کو ہر حال میں کھیلنا اور ورزش کرنی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف نوجوانوں کو ورزش کرنی چاہیئے اور غیر جوانوں کے لئے ورزش منع ہے نہیں! دوسروں کو بھی کھیل اور ورزش میں حصہ لینا چاہیئے۔ تاہم نوجوان کو اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بوڑھوں پر ورزش واجب ہے، وہ لوگ جو جوانی کی حدود عبور کر کے چالیس پچاس سال کی عمر کو پہنچ گئے ہیں ان پر بھی ورزش واجب ہے اور انہیں ورزش کرنا چاہیئے۔

سوال : نوجوانوں کے امور میں حکمت عملی وضع کرنے کے لئے ایک مرکز کیوں نہیں قائم کیا جاتا؟ اور جوانوں کے مسائل جیسے شادی کا مسئلہ کے حل کے لئے مختلف اداروں کا آپس میں تعاون اور رابطہ قائم کیوں نہیں ہے؟

جواب : شادی ایک بالکل انفرادی مسئلہ ہے خود خاندان کو چاہیئے کہ اس مسئلہ پر غور کریں حکومتی اور نجی اداروں کو بھی اس سلسلہ میں پبلسٹی کرنی چاہیئے میری اپنی لوگوں سے گزارش ہے کہ شادی میں زیادہ جھنجٹ نہ کریں، مہر زیادہ نہ رکھیں، جہیز زیادہ نہ دیں، ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں زیادہ اسراف نہ کریں۔ ان چیزوں میں ہمیں ابھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ثقافتی حوالے سے پبلسٹی کی جائے تاکہ لوگوں کو یہ چیزیں ذہن نشین کرائی جائیں۔ میرا خیال ہے کہ لوگ اگر ان چیزوں کو سمجھ لیں تو شادی کا مسئلہ کافی حد تک آسان ہو جائے گا۔

شادی کی عمر نہ تو اتنی کم ہونی چاہیئے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جوان ہوتے ہی شادی کر دینی چاہیئے۔ میں اس چیز کی نفی نہیں کرتا۔ اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں جلدی

شادی کرلی جائے لیکن اس پر بہت اصرار کرنا بھی درست نہیں اور نہ ہی شادی کی عمر اتنی زیادہ ہونی چاہئے کہ جیسے یورپی لوگ کرتے ہیں تیس چالیس سال کی عمر میں خودغرضی اتنی آ گئی ہے کہ اگر مرد تیس چالیس کا بھی ہو تو کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا کہ ایک نوجوان لڑکی سے شادی کرے، اتنی عمر گزرنے کے بعد بھی مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ کم سے کم عمر کی جوان لڑکی سے شادی کرے جبکہ اس کی اور لڑکی کی عمر میں کافی فاصلہ ہوتا ہے۔ یورپی معاشرے کی ان اقدار نے شادی کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یورپ میں غیر شادی شدہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پوری زندگی تنہا گزار دیتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ایران اور دوسرے تمام اسلامی ممالک میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

آخر میں پھر غرض کروں گا کہ شادی کے مراسم میں آسانی پیدا کرنی چاہئے زیادہ دھوم دھام سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ نوجوانوں کو شادی کے مرحلہ سے زیادہ نزدیک کیا جا سکے۔ خاندان، خود نوجوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں میں ہمت پیدا کر سکے اور شادی کے راستے میں آنے والی مشکلات دور ہو سکیں۔ اگر حکومت بھی اس سلسلے میں کوئی تعاون کر سکے تو بہت ہی اچھا ہے۔ میری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے اور ذمہ داروں سے بھی ہمیشہ یہی گزارش کی ہے کہ گھر قرض حسنہ اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے نوجوانوں کی مدد کریں۔

فی الحال یہ سب فرضیات ہیں لیکن سب سے پہلے اس کام کی ذمہ داری گھر والوں اور خود اس شخص پر ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں زمانہ جنگ کے دور کی اقدار اور روحانی فضا آج کے نوجوانوں میں کیسے منتقل ہو سکتی ہے؟

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اقتصادی معاملات میں تکالیف اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن ایک روز یہ مشکلات ختم ہو جائیں گی اور جو چیز ان مشکلات کا خاتمہ کرے گی۔ انشاء اللہ آپ کا یہی روحانی جذبہ اور اسلام اور انقلاب سے رابطہ ہوگا۔ یہی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو ملک کو نجات دلائیں گے۔ میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ نوجوان نسل صعوبتوں کے دور میں گرہ کشا ثابت ہو گی جب یہ میدان میں اتر آئی ہے تو چھوٹی بڑی سب گرہیں کھیل جائیں گی اور مشکلات ختم ہو جائیں گی۔

ہمارے جوان مومن، دیانت دار ہیں اور اپنے ملک اور اسلام سے محبت کرتے ہیں اور امریکہ اور دوسرے ممالک کے تسلط کے مخالف ہیں، یہی چیز آئندہ کام آئے گی۔ یہ سازشیں اور حملے جو آج ہمارے خلاف ہو رہے ہیں انشاء اللہ نا کام رہیں گے۔ انشا اللہ خدا بھی ہماری مدد کرے گا اور امام زمانہ (ارواحنا فداہ) اس مسلک، اس عمل اور ان جوانوں کے پشت پناہ ہیں۔

آخر میں ایک بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ نوجوان آج جو کام بھی انجام دے رہے ہیں، کوئی چھوٹا کام نہیں ہے، یہ تعلیم حاصل کرنا یہ تحقیقات کرنا، یہ فنکارانہ کام یا یہ کھیل اور ورزش یہ سب چھوٹے کام نہیں ہیں، میری گزارش ہے کہ اپنے کسی کام کو بھی چھوٹا نہ سمجھئے۔ آپ کے یہی کام پورے ملک کی مجموعی فعالیت کے ذیل میں ایک سرنوشت ساز حیثیت کے حامل ہیں۔ مثلاً ایک فنکار اکیلا فیصلہ کرتا ہے کہ کوئی پروگرام کرے، ایک اچھا پروگرام پیش کرنے کے لئے وہ جتنی محنت کرتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ اکیلے نے ایک چھوٹا سا کام انجام دیا ہے آپ اکیلے اگر ایک کام کو اچھی طرح انجام دیتے ہیں اور دوسرے سو آدمی بھی آپ ہی کی طرح کام کرتے ہیں تو یہ مل

کر ایک بڑا کام بن جائے گا ورزش بھی اسی طرح سے ہے پڑھائی اور تحقیق بھی اسی طرح سے ہے اور جوانوں کے تمام دیگر کاموں کی بھی یہی مثال ہے۔ یہ بالکل گیارہ فروری کے عظیم الشان جلوس کی طرح سے ہے کہ اگر سبھی لوگ یہ کہنے لگیں کہ جناب مجھ ایک آدمی کے جانے یا نہ جانے سے کیا ہوگا؟ تو کبھی بھی دس لاکھ افراد کا جلوس نہ نکل سکے گا اور نہ ہی یوم القدس منایا جا سکے گا، لیکن یہاں ہر شخص کو احساس ہے کہ وہ اپنی شرعی ذمہ داری ادا کر رہا ہے۔ میں ایک بار پھر اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ ایک ایک نوجوان جہاں بھی اور جو کام بھی کر رہا ہے، خواہ وہ قرآن کے سلسلے میں ہو، معلومات عامہ کے سلسلے میں ہو، دینی معلومات کے سلسلے میں ہو، دینی مدارس ہوں، یونیورسٹی میں ہو، کتاب لکھنے کے سلسلے میں ہو یا کسی بھی دوسرے سلسلے میں سب کا سب کام اہم ہے اور یہ تمام کام انشاء اللہ ملک کو اعلیٰ درجہ تک پہنچائیں گے۔